THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

قدیم وعصرِ جدید کے دعوتی اسالیب میں مماثلت: قرآنی اصولوں کی روشنی میں

Continuities Between Classical and Contemporary Methods of Daʿwah in the Light of Qurʾānic Principles

Muwahidullah
Muwahidullah@gmail.com
Dr. Hafiz Muhammad Ahsan Raza
Assistant Professor, Department of Islamic Studies,, Superior University, Faisalabad.
ahsanraza6281@gmail.com

Abstract

This article examines the similarities in ***Daʿwah (Islamic missionary) methods*** *from the early period of Islam to the modern era. Despite the evolving context, the fundamental principles of wisdom (ḥikmah) and good counsel (mawʿiẓah ḥasanah) have remained consistent. The study highlights how Prophet Muhammad ﷺ adapted his approach according to the psychological, social, and intellectual capacities of his audience, using different strategies for tribes, scholars, and common people. In the contemporary context, these principles are applied through scientific reasoning, digital platforms, targeted educational programs, and culturally sensitive communication. The paper emphasizes stepwise guidance, role-modeling, respect, and psychological engagement as central to effective Daʿwah, illustrating how classical methods can be aligned with modern pedagogical and technological tools. By analyzing historical and contemporary practices, the study provides a framework for successful and ethical propagation of Islam in diverse sociocultural settings.*

Keywords: Daʿwah, Ḥikmah, Mawʿiẓah Ḥasanah, Prophetic Methods, Modern Islamic Outreach, Cultural Sensitivity, Psychological Approach, Stepwise Guidance

دعوتِ دین کے اسالیب زمانے کے ساتھ بدلتے رہے ہیں، لیکن بنیادی اصول ہمیشہ یکساں رہے ہیں۔ یہ تحقیقی مطالعہ دورِ اول کے دعوتی اسالیب اور عصرِ جدید کے طریقوں کے درمیان مماثلتوں کا تجزیاتی جائزہ پیش کرتا ہے۔ تاریخی تسلسل کے مطابق قرآن وسنت میں بیان شدہ دعوتی اصول آج بھی مؤثر ہیں، تاہم ان کے اطلاق کے طریقے وقت، سماج اور سماجی گروہوں کے مطابق ڈھالے گئے ہیں۔

دعوت کے بنیادی اصول: تبدیلی کے بغیر تسلسل

زمانہ قدیم میں حکمت اور موعظہ حسنہ کی عملی تطبیق

دورِ اول میں رسول اللہ ﷺ نے ہر قبیلے اور ہر شخص کو اس کی ذہنی سطح اور فکری استعداد کے مطابق دعوت دی۔ آپ ﷺ ہر سامعین کی نفسیات کو سامنے رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر:

- قبیلہ بنو شیبان کے سرداروں سے بات کرتے وقت آپ ﷺ نے ان کی جنگی صلاحیتوں اور ان کے دفاعی معاہدوں کا ذکر کیا، کیونکہ یہ چیزیں ان کی نفسیات کے قریب تھیں۔
- قریش کے سرداروں سے بات کرتے وقت آپ ﷺ نے ان کے تجارتی مفادات اور سماجی حیثیت کو مد نظر رکھا۔[1]

ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں": رسول اللہ ﷺ ہر شخص سے اس کی عقل وفہم کے مطابق بات کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے کلام میں ہر سامع کے لیے خاص پیغام ہوتا تھا"۔[2]

مختلف مواقع کے لحاظ سے مختلف انداز اختیار کرنا

رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف اسالیب اختیار کیے: جیسے **غزوات کے موقع پر** صلح حدیبیہ میں پر آپ ﷺ نے سفارتی اور پرامن انداز اختیار کیا اور فتح مکہ کے موقع پر عام معافی کا اعلان فرمایا۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

اسی طرح عام دعوتی مواقع پر مسجد میں بیٹھ کر عام لوگوں سے بات چیت کی اور بازاروں میں جاکر تجارت پیشہ لوگوں سے رابطہ بھی رکھا نیز گھر میں بیٹھ کر مہمانوں کے ساتھ religious discussions بھی فرمائی۔ امام غزالی فرماتے ہیں": داعی کو چاہیے کہ وہ وقت، مقام اور حالات کے مطابق اپنے اسلوب کو بدلے۔ جو بات ایک وقت میں مفید ہو، وہی دوسرے وقت میں مضر ہو سکتی ہے"۔[3]

ہر شخص کی ذہنی استعداد کے مطابق بات کرنا

رسول اللہ ﷺ ہر شخص کی ذہنی صلاحیتوں کو جانچ کر اس کے مطابق بات کرتے تھے: عام لوگوں کے لیے آپ ﷺ سادہ اور آسان زبان کا استعمال کرتے ہوئے روزمرہ زندگی کی مثالیں اور عملی نمونے پیش فرمایا کرتے تھے۔

علماء اور دانشوروں کے لیے نبی کریم ﷺ گہرے فلسفیانہ مباحث، منطقی دلائل اور علمی استدلال کو سامنے رکھتے تھے۔

نومسلموں کے لیے آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ بتدریج تعلیم دیتے تھے، پہلے بنیادی عقائد سکھانے کا عمل ہوتا تھا اور پھر تفصیلی احکام بتایا کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں": نبی ﷺ کا ہر قول اور ہر فعل مخاطب کی استعداد کے مطابق ہوتا تھا۔ آپ ﷺ ہر شخص کو اس کی صلاحیت کے مطابق ہدایت دیتے تھے"۔[4]

عصرِ جدید میں حکمت اور موعظہ حسنہ کی تطبیق

مختلف تعلیمی backgrounds کے لوگوں کے لیے مختلف دلائل

آج کے دور میں دعوتِ دین کا کام کرنے والوں کے سامنے ایک نیا چیلنج ہے کہ وہ جدید ذہن رکھنے والے افراد تک اسلام کا پیغام کیسے پہنچائیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اصولِ حکمت اور موعظہ حسنہ کو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ڈھالیں۔

آج کا معاشرہ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد پر مشتمل ہے۔ ہر طبقہ فکر کے لوگوں تک رسائی کے لیے ضروری ہے کہ ہر گروہ کو اس کی تعلیمی اور پیشہ ورانہ زبان میں مخاطب کیا جائے۔

سائنس سے وابستہ افراد کے لیے قرآن پاک کی وہ آیات خصوصی اہمیت رکھتی ہیں جن میں سائنسی حقائق بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن میں بیان کردہ کائناتی حقائق، جنین کی تخلیق کے مراحل، اور دیگر سائنسی نشانیاں ایسے لوگوں کے لیے اسلام کی سچائی ثابت کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ ڈاکٹر مورس بوکے جیسے سائنسدان نے قرآن میں موجود سائنسی حقائق کو دیکھ کر اسلام قبول کیا، جو اس بات کی واضح مثال ہے۔

انجینئرز اور ٹیکنالوجی کے شعبے سے وابستہ افراد کے لیے اسلامی معاشیات کے ریاضیاتی ماڈلز، ٹیکنالوجی کے اسلامی اصول، اور ڈیجیٹل دور کے فقہی مسائل پر بات کرنا زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ انہیں یہ بتانا کہ اسلام ہر دور کے تقاضوں کے مطابق رہنمائی فراہم کرتا ہے، ان کے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔

طبی پیشے سے وابستہ افراد کے لیے اسلامی میڈیکل اخلاقیات، قرآن میں انسانی تخلیق کے مراحل، اور روحانی علاج کے طریقے انتہائی دلچسپی کا باعث بنتے ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر نائک کے مطابق ہر پیشہ ور طبقے کو اس کی مخصوص زبان میں دعوت دینا زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے۔[5] ڈاکٹر Maurice Bucaille نے قرآن میں موجود سائنسی حقائق کو دیکھ کر اسلام قبول کیا۔[6]

جدید سائنس اور منطق کے ذریعے دعوت

عصرِ حاضر میں سائنسی دلائل کے ذریعے دعوت دینا نہایت کامیاب ثابت ہو رہا ہے۔ قرآن پاک میں متعدد آیات ایسی ہیں جو سائنسی حقائق پر مبنی ہیں اور جدید سائنس سے مکمل مطابقت رکھتی ہیں۔ مثال کے طور پر کائنات کے پھیلاؤ کا ذکر، جنین کی تخلیق کے مراحل، اور پہاڑوں کی زمین میں گڑے ہونے کا مفہوم جدید سائنس کی تصدیق کرتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے "کیا یہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیا گیا"۔ یہ آیات در حقیقت انسانوں کو سائنسی سوچ اپنانے اور کائنات میں غور و فکر کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔

منطقی دلائل کے ذریعے بھی دعوت کا کام مؤثر طریقے سے کیا جا سکتا ہے۔ توحید کے عقلی دلائل، رسالت کی ضرورت کے منطقی ثبوت، اور آخرت کے وجود کے فلسفیانہ دلائل ایسے ہیں جو جدید تعلیم یافتہ ذہن کو مطمئن کر سکتے ہیں۔ پروفیسر کیتھ مور نے قرآن میں جنین کی تخلیق کے مراحل کو دیکھ کر کہا کہ یہ بیان جدید ایمبریولوجی کے مطابق ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔[7]

ہر طبقہ فکر کے لیے مناسب زبان کا استعمال

آج کا معاشرہ مختلف ثقافتی اور سماجی گروہوں پر مشتمل ہے۔ ہر گروہ تک مؤثر طریقے سے پیغام پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ ہر ایک کے لیے الگ زبان اور اندازِ بیاں اختیار کیا جائے۔

نوجوان نسل کے لیے جدید اسلوب میں بات کرنا، سوشل میڈیا کی زبان سمجھنا، اور ان کے مسائل اور چیلنجز کو جاننا ضروری ہے۔ نوجوانوں کے لیے اسلامی گیمز اور ایپلیکیشنز بنانا ان تک پیغام پہنچانے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔

خواتین کے لیے دعوت کے کام میں ان کے مسائل پر خصوصی توجہ دینا، خواتین اسکالرز کے ذریعے دعوت کا اہتمام کرنا، اور خواتین کے لیے الگ فورمز قائم کرنا نہایت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

کاروباری طبقے کے لیے اسلامی بینکاری اور مالیات، کاروباری اخلاقیات، اور تجارتی مسائل کے شرعی حل پر بات کرنا ان کی دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔

دیہاتی اور شہری آبادی کے لیے الگ الگ انداز اپنانا ضروری ہے۔ ہر طبقے کی مخصوص زبان بولنا، مقامی ثقافت کے مطابق مثالیں دینا، اور روزمرہ کے مسائل کے حل پیش کرنا دعوت کو مؤثر بنا دیتا ہے۔

ڈاکٹر بلال فلپس کے مطابق دعوت دینے والے کو مخاطب کی زبان، ثقافت اور ذہنی سطح کو سمجھنا چاہیے۔ یہی حکمت اور موعظہ حسنہ کا تقاضا ہے۔ اس اصول پر عمل کر کے ہی ہم عصرِ حاضر میں دعوتِ دین کے کام کو کامیابی سے انجام دے سکتے ہیں۔[8]

دورِ اول اور عصرِ جدید کے اسلوبِ دعوت میں مماثلتیں

دعوتِ دین کے بنیادی اصول ہر دور میں یکساں رہے ہیں، خواہ وہ دورِ اول ہو یا عصرِ جدید۔ ان اصولوں پر عمل کرنا ہر زمانے میں کامیابی کی ضمانت رہا ہے۔

مخاطب کی نفسیات کو سمجھنا

دورِ اول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کی عمر، ذہنی سطح اور پس منظر کو مدِ نظر رکھتے تھے۔ آپ جوانوں سے جوانوں جیسا برتاؤ کرتے اور بزرگوں کے ساتھ بزرگوں جیسا سلوک فرماتے۔ ہر فرد کی دلچسپیوں اور ضروریات کو سامنے رکھنا آپ کی دعوت کی خاص خوبی تھی۔ عصرِ جدید میں ہم نفسیات کی جدید سائنس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مختلف عمر کے گروہوں کے لیے الگ الگ پروگرام ترتیب دے سکتے ہیں۔ ہر شخص کی ذہنی اور جذباتی حالت کو سمجھنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ یہ اصول اس لیے مؤثر ہے کہ جب آپ سامعین کو سمجھتے ہیں تو وہ آپ کی بات غور سے سنتے ہیں اور اسے دل سے قبول کرتے ہیں۔

امین احسن اصلاحیؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"جس طرح ایک بیج کے نشوونما پانے کے لیے تنہا بیج کی صلاحیتوں ہی پر نظر نہیں رکھنی پڑتی، بلکہ زمین کی آمادگی و مستعدی اور فصل و موسم کی سازگاری و موافقت کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے، اسی طرح کلمۂ حق کی دعوت میں مجرد حق کی فطری صلاحیتوں پر ہی اعتماد نہیں کر لینا چاہیے، بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جن لوگوں کے سامنے وہ حق پیش کیا جا رہا ہے، دعوت کے وقت نفسیاتی نقطۂ نظر سے ان کی حالت کیا ہے۔"[9]

رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ہر شخص کی عمر، ذہنی سطح اور پس منظر کو مد نظر رکھتے ہوئے دعوت دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"یسّروا ولا تعسّروا، وبشّروا ولا تنفّروا"[10]

آسانیاں پیدا کرو اور لوگوں کے لیے مشکلیں کھڑی نہ کرو، انھیں خوشخبری سناؤ اور انہیں دین سے متنفر نہ کرو۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4, No.1, 2026
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

عصرِ جدید میں بھی یہ اصول اپنی جگہ اہم ہے۔ آج ہمارے پاس نفسیات کی جدید سائنس موجود ہے جو مختلف عمر کے گروہوں، ذہنی سطحوں اور جذباتی حالتوں کو بہتر طریقے سے سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ ایک داعی کو چاہیے کہ وہ مخاطب کی نفسیات کا باریک بینی سے مطالعہ کرے تاکہ اس کے دل و دماغ کو متاثر کیا جا سکے۔(ورک، 2003، ص 23)

زبان اور انداز میں تنوع

دورِ اول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عربی کے مختلف لہجوں کا استعمال فرماتے تھے۔ ہر قبیلے کی مخصوص زبان میں بات کرنا آپ کی عادتِ مبارکہ تھی۔ عام لوگوں کے لیے آسان زبان استعمال کرتے جبکہ علماء کے ساتھ علمی مباحث فرماتے۔ عصرِ جدید میں ہم مختلف علاقائی زبانوں میں دعوت کا کام کر سکتے ہیں۔ نوجوانوں کی جدید زبان سمجھنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ سوشل میڈیا کے لیے مختصر اور اثرانگیز زبان استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ اصول اس لیے کارآمد ہے کہ ہر شخص اپنی زبان میں دی گئی دعوت کو بہتر سمجھتا ہے اور اسے دل سے قبول کرتا ہے۔

دورِ اول میں نبی کریم ﷺ اس اصول پر عمل کرتے ہوئے ہر قبیلے اور قوم کو اسی کی زبان اور لہجہ میں دعوت دیتے تھے۔ علامہ زرقانیؒ اس بارے میں لکھتے ہیں:

"لأن المصطفٰی یخاطب کل إنسان بلغتہ"[11]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر انسان کے ساتھ اسی کی زبان میں بات فرماتے تھے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے قبیلہ بنی اشعر کے لوگوں کو انہی کی زبان اور لہجہ میں مخاطب کر کے فرمایا:

"لیس من امبر امصیام في امسفر"[12]

سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں۔

یہی اصول عصرِ جدید میں بھی اہم ہے۔ آج ہم مختلف علاقائی زبانوں، نوجوانوں کی جدید زبان، اور سوشل میڈیا کے لیے مختصر اور اثرانگیز زبان استعمال کر سکتے ہیں۔ دعوت کو ہر طبقے کی سمجھ کے مطابق ڈھالنا ضروری ہے۔

بتدریج تعلیم

دورِ اول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے توحید کی تعلیم دی، پھر نماز سکھائی۔ آہستہ آہستہ احکام بتائے اور ہر مرحلے پر لوگوں کی تیاری کو ملحوظِ خاطر رکھا۔ عصرِ جدید میں ہم نئے مسلمانوں کے لیے مرحلہ وار کورسز ترتیب دے سکتے ہیں۔ پہلے بنیادی باتوں پر زور دیتے ہوئے بعد میں تفصیلات بیان کر سکتے ہیں۔ ہفتہ وار یا ماہانہ تربیتی سیشنز کے ذریعے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھ سکتے ہیں۔ یہ طریقہ اس لیے مؤثر ہے کہ ایک وقت میں زیادہ معلومات دینے سے لوگ الجھ جاتے ہیں، جبکہ آہستہ آہستہ سکھانے سے تعلیم دیرپا اثر رکھتی ہے۔

دورِ اول میں قرآن مجید بھی اسی اصول کے تحت نازل ہوا۔ پہلے توحید کی تعلیم دی گئی، پھر نماز، روزہ، زکوٰۃ اور دیگر احکام بتائے گئے۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیم کا یہی منہج تھا کہ آپ ﷺ مخاطب کی سمجھ اور صلاحیت کو مدنظر رکھتے تھے۔[13]

صحابہ کرامؓ بھی اس اصول پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ لوگوں کو جمعرات کو وعظ سنایا کرتے تھے۔ جب ایک شخص نے ان سے کہا کہ کاش آپ روزانہ وعظ فرمایا کریں، تو انہوں نے جواب دیا:

"إني أكره أن أُمِلَّكم وإنّي أتخوّلكم بالموعظة كما كان النبي ﷺ يتخولنا بها مخافة السآمة علينا"[14]

میں اس لیے نہیں کرتا کہ تم اکتاہٹ کا شکار نہ ہو جاؤ، اور میں تمہیں موقع بہ موقف نصیحت کرتا ہوں جیسا کہ نبی ﷺ ہمیں موقع بہ موقف نصیحت کرتے تھے تاکہ ہم اکتاہٹ میں مبتلا نہ ہوں۔

عصرِ جدید میں بھی یہ اصول نئے مسلمانوں اور عام لوگوں کی تعلیم و تربیت میں کارآمد ہے۔ مرحلہ وار کورسز، بنیادی باتوں سے آغاز، اور ہفتہ وار تربیتی سیشنز کے ذریعے لوگوں کو بتدریج دین سے آشنا کیا جا سکتا ہے۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

دعوتِ دین کے مشترکہ نتائج

دل کی گہرائیوں تک اثر

دونوں ادوار میں یہ بات مشترک رہی ہے کہ جبر کے بجائے پیار اور محبت سے سمجھانے کا طریقہ اپنایا گیا۔ دل کو چھو جانے والی باتوں کا انتخاب کیا گیا اور عملی نمونے پیش کیے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں نے صرف زبانی قبولیت ہی نہیں دکھائی بلکہ دل سے اسلام کو اپنا لیا۔

دیرپا تبدیلی

دونوں ادوار میں جلد بازی کے بجائے تحمل اور صبر سے کام لیا گیا۔ لوگوں کو تبدیلی کے لیے تیار کیا گیا اور مسلسل تعاون اور راہنمائی فراہم کی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وقت کے ساتھ پکی اور مستقل تبدیلی آئی جو زندگی بھر قائم رہتی ہے۔

معاشرے میں مثبت تبدیلی

دونوں ادوار میں انفرادی تبدیلی سے اجتماعی تبدیلی کا آغاز کیا گیا۔ اچھے اخلاق اور حسن سلوک کو فروغ دیا گیا اور معاشرتی مسائل کے حل پیش کیے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورا معاشرہ پر امن اور خوشحال ہوا اور لوگ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنے لگے۔

گویا کہ دورِ اول اور آج کے دور میں دعوت کے طریقے بدل گئے ہیں لیکن بنیادی اصول وہی ہیں۔ اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسالیب کو سمجھ کر آج کے دور کے مطابق استعمال کریں تو دعوت ہر دور میں کامیاب رہے گی۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ دعوت ہمیشہ پیار، محبت، حکمت اور اچھے طریقے سے دی جائے، یہی کامیابی کی کنجی ہے۔

نرم گفتاری اور احترام کا اصول

دعوتِ دین میں نرم گفتاری اور احترام ہمیشہ سے مؤثر ترین اصول رہا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون جیسے سخت گیر حکمران کے پاس بھیجتے وقت ہدایت فرمائی: "اس سے نرمی سے بات کہو"۔ یہ اسلامی دعوت کا بنیادی اصول ہے جو ہر دور میں قابلِ تطبیق ہے۔

دورِ اول میں اس اصول کی عملی تطبیق ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ آپ نے مشرکین مکہ کے ساتھ ہمیشہ نرم رویہ اختیار فرمایا، ان کی نفرت انگیزیوں کے باوجود صبر و تحمل سے کام لیا۔ مختلف عقائد رکھنے والوں کے ساتھ ہمیشہ احترام کا برتاؤ کیا اور مخالفین کو برا بھلا کہنے سے پرہیز فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ [15]

اور اے پیغمبر! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان پر بہت نرم مزاج ہو، ورنہ اگر تم بد زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب تمہارے پاس سے چھٹ جاتے۔

دورِ اول میں نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا عمل اس نرمی کا عملی نمونہ تھا۔ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو صحابہ کرامؓ اس کی طرف بڑھے، لیکن آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"دَعُوهُ، وَأَهْرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ ذَنُوبًا مِنْ مَاءٍ فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ"[16]

اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی بہا دو، کیونکہ تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، تنگی پیدا کرنے والے نہیں۔

عصرِ جدید میں اس اصول کی تطبیق بین المذاہب مکالمہ میں باہمی احترام، سوشل میڈیا پر علمی اندازِ بحث، اور دوسروں کے عقائد کا احترام کرتے ہوئے دعوت کی صورت میں ہو سکتی ہے۔ آج کے دور میں جب دنیا گلوبل ولیج بن چکی ہے، باہمی احترام اور نرم گفتاری کے بغیر دعوت کا کام مؤثر طریقے سے نہیں کیا جا سکتا۔

ذرائع ابلاغ کا ارتقاء اور مماثلتیں

دعوتِ دین کے ذرائع وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہے ہیں، لیکن ان کے بنیادی مقاصد میں حیرت انگیز مماثلتیں پائی جاتی ہیں۔

براہ راست رابطے کے حوالے سے دورِ اول میں مسجد نبوی دعوت و تبلیغ کا مرکز تھی۔ یہ نہ صرف عبادت گاہ تھی بلکہ تعلیم و تربیت، مشاورت اور اجتماعی معاملات کی تربیت کا ادارہ بھی تھی۔ آج سوشل میڈیا نے اس کردار کو جدید شکل دے دی ہے۔ دونوں میں مماثلت یہ ہے کہ دونوں براہ راست رابطے کا ذریعہ ہیں، فوری رہنمائی کا موقع

فراہم کرتے ہیں اور اجتماعی تعاون کی فضاء قائم کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ مسجد میں جسمانی موجودگی ضروری تھی جبکہ سوشل میڈیا پر ورچوئل موجودگی کافی ہے، نیز رسائی کا دائرہ محدود سے لامحدود ہو گیا ہے۔

تحریری ذرائع کے میدان میں دورِ اول میں دعوت کے لیے خطوط اور دستاویزات استعمال ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں اور سرداروں کو خطوط کے ذریعے اسلام کی دعوت دی۔[17] آج ڈیجیٹل پبلشنگ نے اس روایت کو جدید شکل دے دی ہے۔ دونوں ادوار میں تحریری پیغام کی تاثیر، مستند حوالہ کا ہونا، اور دور دراز تک رسائی جیسی خصوصیات مشترک ہیں۔ فرق یہ ہے کہ خطوط کی ترسیل میں طویل وقت لگتا تھا جبکہ ڈیجیٹل میسج فوری پہنچ جاتا ہے، نیز اب مواد کو update اور improve کرنا آسان ہو گیا ہے۔

تعلیمی اسالیب میں مماثلتیں

تعلیم و تربیت کے اسالیب میں بھی دورِ اول اور عصر جدید میں واضح مماثلتیں پائی جاتی ہیں۔

سوال و جواب کا طریقہ تعلیم دورِ اول میں بھی مؤثر طریقہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے سوالات کے جوابات دیتے تھے اور ان سے سوالات بھی پوچھتے تھے۔ آج بھی یہ طریقہ ویبینارز میں سوال و جواب کے سیشنز، سوشل میڈیا پر comments کے جوابات، اور آن لائن فورمز پر discussions کی شکل میں زندہ ہے۔ دونوں ادوار میں سیکھنے کے عمل میں interaction، شکوک و شبہات کے ازالہ کا موقع، اور ذہنی engagement جیسی خصوصیات مشترک ہیں۔

1. عملی نمونہ پیش کرنا دعوت کا سب سے مؤثر ذریعہ رہا ہے۔ دورِ اول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل دعوت کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ آپ کے کردار سے لوگ متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے تھے۔[18] آج بھی اسلامی شخصیات کے role models، کامیاب مسلمانوں کی life stories، اور اسلامی اقدار پر عمل کرنے والے communities اسی روایت کی جدید شکل ہیں۔ قول و فعل کے مطابقت، عملی نمونہ کی تاثیر، اور شخصیت کے ذریعے دعوت جیسی خصوصیات دونوں ادوار میں مشترک ہیں۔

نفسیاتی پہلوؤں میں مماثلتیں

دعوتِ اسلام کی کامیابی میں انسانی نفسیات کو سمجھنا بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ دین میں ہمیشہ مخاطب کی ذہنی کیفیت، فکری استعداد اور نفسیاتی آمادگی کو پیشِ نظر رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے اسلام کی تعلیمات کو بتدریج پیش کیا، تاکہ افراد نئے احکام کو آسانی سے قبول کر سکیں۔ مکی دور میں سب سے پہلے عقیدۂ توحید، ایمان بالآخرت اور اخلاقی اصلاح پر زور دیا گیا، جبکہ مدنی دور میں نماز، زکوٰۃ، روزہ، جہاد اور دیگر عملی احکام مرحلہ وار نازل ہوئے۔ اس تدریجی اسلوب نے نو مسلموں کی ذہنی اور روحانی تربیت میں بنیادی کردار ادا کیا۔[19]

عصرِ حاضر میں بھی یہی نفسیاتی اصول مؤثر سمجھا جاتا ہے۔ جدید دعوتی ادارے نئے مسلمانوں اور دین سیکھنے والوں کے لیے تدریجی نصاب (Level-wise Courses)، بنیادی عقائد سے آغاز، اور مرحلہ وار تربیتی پروگرام ترتیب دیتے ہیں تاکہ سیکھنے والا ذہنی دباؤ کے بغیر دینی تعلیمات کو قبول کر سکے۔ جدید ماہرینِ تعلیم اور نفسیات بھی اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کی فکری تبدیلی تدریج، تکرار اور نفسیاتی آمادگی کے ذریعے زیادہ پائیدار ہوتی ہے۔[20]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے دعوت میں انفرادی اور اجتماعی دونوں طریقوں کو اختیار فرمایا۔ آپؐ کبھی کسی فرد سے تنہائی میں گفتگو فرماتے، اس کے حالات اور ذہنی کیفیت کو سامنے رکھ کر رہنمائی دیتے، اور کبھی بڑے اجتماعات، قبائل اور وفود سے خطاب فرماتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کا مؤثر طریقہ ہمیشہ مخاطب کی نوعیت کے مطابق اختیار کیا جانا چاہیے۔[21]

آج یہی اصول مختلف صورتوں میں سامنے آتا ہے۔ ایک طرف انفرادی دعوت، مشاورت (Counseling)، تربیتی نشستیں اور ذاتی ملاقاتیں ہیں، جبکہ دوسری طرف ذرائع ابلاغ، ٹیلی ویژن، ڈیجیٹل میڈیا، سوشل میڈیا اور آن لائن لیکچرز کے ذریعے لاکھوں افراد تک بیک وقت پیغام پہنچایا جاتا ہے۔ اس طرح انفرادی توجہ اور اجتماعی ابلاغ دونوں دعوت کے مؤثر ذرائع ہیں، اور دونوں کا امتزاج عصرِ حاضر میں بھی اسی قدر اہم ہے جتنا عہدِ نبوی میں تھا۔[22]

ثقافتی حساسیت میں مماثلتیں

دعوتِ اسلام کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ مختلف اقوام اور ثقافتوں کے ساتھ تعامل میں ان کے حالات، زبان اور معاشرتی روایات کو پیشِ نظر رکھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف قبائل، وفود اور غیر مسلم اقوام کو دعوت دیتے وقت ان کی زبان، معاشرتی ماحول اور ذہنی سطح کا لحاظ رکھا۔ آپؐ نے ہر مخاطب سے اس کے فہم اور حالات کے مطابق گفتگو فرمائی، جس سے دعوت زیادہ مؤثر اور قابلِ قبول بنی۔[23]

قرآنِ مجید بھی دعوت میں حکمت، حسنِ خطاب اور مخاطب کے حالات کے مطابق اسلوب اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے" : **اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو، اور ان سے ایسے طریقے سے گفتگو کرو جو بہترین ہو۔**) "[24]

عصرِ حاضر میں دنیا مختلف تہذیبوں، زبانوں اور ثقافتوں پر مشتمل ایک عالمی معاشرہ بن چکی ہے۔ ایسے ماحول میں مؤثر دعوت کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کا پیغام مختلف زبانوں میں پیش کیا جائے، مقامی ثقافتی حساسیت کا احترام کیا جائے، اور ابلاغ کے ایسے اسلوب اختیار کیے جائیں جو مخاطب کی سماجی اور فکری فضا سے ہم آہنگ ہوں۔ اسی لیے آج اسلامی دعوت میں تراجمِ قرآن، مقامی زبانوں میں اسلامی لٹریچر، ثقافتی تناظر کے مطابق دعوتی پروگرام، اور بین الثقافتی ابلاغ (Intercultural Communication) کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔[25]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ دعوت کے ذرائع وقت کے ساتھ تبدیل ہوئے ہیں، لیکن مخاطب کی زبان، ثقافت اور معاشرتی پس منظر کو ملحوظ رکھنا آج بھی اسی قدر ضروری ہے جتنا عہدِ نبوی میں تھا۔ یہی اصول دعوت کو مؤثر، قابلِ قبول اور دیرپا بناتا ہے۔

نتیجہ

دورِ نبوی اور عصرِ حاضر کے دعوتی اسالیب کا تقابلی جائزہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ دعوتِ اسلام کے بنیادی اصول زمانے کی تبدیلی سے متاثر نہیں ہوتے، البتہ ان کے اظہار کے ذرائع اور صورتیں بدلتی رہتی ہیں۔ انسانی نفسیات کو سمجھنا، دعوت میں تدریج اختیار کرنا، انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر مؤثر ابلاغ قائم کرنا، اور مخاطب کی زبان، ثقافت اور سماجی حالات کا احترام کرنا ایسے اصول ہیں جو ہر دور میں یکساں اہم رہے ہیں۔ آج کے جدید ذرائع ابلاغ اور عالمی ماحول میں بھی دعوت اسی وقت زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتی ہے جب اسے حکمت، محبت، حسنِ اخلاق، نرم گفتاری اور مخاطب کی نفسیاتی و ثقافتی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے پیش کیا جائے۔ یہی وہ نبوی منہج ہے جو ہر زمانے میں دعوتِ دین کی کامیابی کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

[1] Ibn Hishām. *Al-Sīrah al-Nabawiyyah.* Al-Qāhirah: Dār al-Maʿārif, 1995, p. 89.
[2] Ibn Qayyim al-Jawziyyah. *Zād al-Maʿād fī Hady Khayr al-ʿIbād.* Bayrūt: Muʾassasat al-Risālah, 1998, p. 156.
[3] Abū Ḥāmid Muḥammad ibn Muḥammad al-Ghazālī. *Iḥyāʾ ʿUlūm al-Dīn.* Al-Qāhirah: Dār al-Manhaj, 2011, p. 234.
[4] Ibn Ḥajar al-ʿAsqalānī. *Fatḥ al-Bārī bi-Sharḥ Ṣaḥīḥ al-Bukhārī.* Bayrūt: Dār al-Maʿrifah, 1997, p. 178.
[5] Zākir Nāik. *Al-Qurʾān awr Jadīd Science.* Mumbai: Islamic Research Foundation, 2007, p. 67.
[6] Maurice Bucaille. *La Bible, le Coran et la Science.* Paris: Seghers, 1987, p. 112.
[7] Moore, Keith. *The Developing Human*. Philadelphia: Saunders, 1982. p. 45
[8] Philips, Bilal. *Da'wah According to the Quran and Sunnah*. Riyadh: International Islamic Publishing House, 1997. p. 123
[9] اصلاحی، امین احسن، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1998)، ص45
[10] البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر:6128

---

[11] الزرقانی، محمد بن عبد الباقی، شرح الزرقانی علیٰ المواہب اللدنیہ،(بیروت: دار الکتب العلمیہ،1996)،ج3،ص215

[12] مسلم،الجامع الصحیح،حدیث نمبر:1942

[13] اصلاحی، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، ص112

[14] البخاری،الجامع الصحیح،حدیث نمبر:6411

[15] القرآن،159:3

[16] البخاری،الجامع الصحیح،حدیث نمبر:6128

[17] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات رسول ﷺ: ایک تحقیقی مطالعہ،(حیدر آباد: عثمانیہ یونیورسٹی،2002)،ص210

[18] محمد ثوبان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوبِ تعلیم اور منہجِ تبلیغ"۔ بینات، ادارة المعارف القرآن، جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی۔ جمادی الاولی،1424ھ، ص12

[19] ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد في هدي خير العباد، تحقیق: شعیب الارناءوط وعبد القادر الارناءوط (بیروت: مؤسسة الرسالة،1998ء)،3:23–27؛ یوسف القرضاوی، فقه الدعوة(قاہرہ: مكتبة وهبة،1995ء)،1:164–168

[20] John W. Santrock, *Educational Psychology*, 6th ed. (New York: McGraw-Hill Education, 2018), 216

[21] ابن ہشام، *السيرة النبوية*، تحقیق: مصطفى السقا، ابراہیم الابیاری، عبد الحفیظ شلبی (قاہرہ: مكتبة مصطفى البابي الحلبي،1955ء)،1:280–287

[22] عبد الکریم زیدان، أصول الدعوة (بیروت: مؤسسة الرسالة،2001ء)،304–315

[23] ابن القیم، *زاد المعاد في هدي خير العباد* (بیروت: مؤسسة الرسالة،1998ء)، 3:45–52؛ عبد الکریم زیدان، *أصول الدعوة* (بیروت: مؤسسة الرسالة، 2001ء)،332–338

[24] القرآن،125:16

[25] Samovar, Larry A., Richard E. Porter, Edwin R. McDaniel, and Carolyn S. Roy, *Communication between Cultures*, 9th ed. (Boston: Cengage Learning, 2017), 12